

تعارف اور تبصرے

نام کتاب: فہرست کتب ذخیرہ پروفیسر اقبال مجددی

مولف: محمد اقبال مجددی

ضخامت: (۲ جلد) ۱۴۲۳ صفحات

اشاعت اول: ۲۰۱۶ء

ناشر: پنجاب یونیورسٹی لاہور (سیلس ڈپو)

مبصرہ: خدیجہ رضوان، فیصل آباد

پروفیسر محمد اقبال مجددی، علمی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں، ان کی ۲۲ تحقیقی کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور ایک ہزار سے زائد مقالات دنیا کے موثر جرائد میں شامل ہیں۔

موصوف نے اپنی عمر بھر کا علمی سرمایہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور کو ۲۰۱۴ء میں عطیہ کر دیا جس میں دس ہزار سے زیادہ مطبوعات ۲۵۰ رسائل، ۲۲۶ مخطوطات، ۴۲۵ روڈو گرافز، ۸۰ مائیکروفلمز اور ۴۸ سی ڈیز ہیں۔

پنجاب یونیورسٹی، لاہور کو ہم مبارک باد دیتے ہیں کہ وہ یہ بیش بہا ذخیرہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی اس ذخیرہ کی مطبوعات کی یہ خوبی ہے کہ اس میں قدیم اور نادر الوجود مطبوعات ہیں، جن میں سے اکثر کتب وہ ہیں جو پاکستان کی سب سے قدیم اور عظیم یعنی پنجاب یونیورسٹی لاہور میں پہلے نہیں تھیں۔ گویا اس ذخیرے کی آمد سے لائبریری کی یونیورسٹی کتابوں کی تعداد میں اضافہ نہیں ہوا بلکہ جہات اور معیار کا اضافہ ہوا ہے۔

اس فہرست کی خوبی یہ ہے کہ اس کے مالک پروفیسر مجددی نے یہ خود مرتب کی ہے۔ اس میں علم تاریخ کی کتب زیادہ ہیں، خصوصیت سے دور وسطی کے اسلامی ہندوستان کی تاریخ پر پیش بہا اصل عربی اور فارسی کتب پر کا اہم ترین حصہ ہیں۔

اس ذخیرہ میں تاریخ اسلام کی تمام اہم عربی کتب بھی موجود ہیں، ایک اور اہم ترین موضوع علم تاریخ کا علما و محدثین کے

احوال اور ان کی وفیات کا ہے جس پر تمام اہم عربی و فارسی کتب بھی اس ذخیرہ کی زینت ہیں۔

ایک اور اہم موضوع تاریخ اسلام کا یہ ہے کہ علماء و محدثین نے تحصیل کے دوران جن اساتذہ سے جو کتابیں پڑھیں اور ان سے اسناد حاصل کیں ان کے مجموعے (مجمعی الشیوخ، اثبات اور نہارس) بھی خاصی تعداد میں موجود ہیں اگر اس ذخیرہ کے صرف تذکروں کا جائزہ لیا جائے تو اس میں علماء و صوفیہ کے تمام اہم تذکرے موجود ہیں جن کی تفصیلات اس میں سلسلہ وارد راج کی گئی ہیں، سلسلہ نقشبندیہ کی پانچ سو ستر کتابیں اس ذخیرہ کے سوا کہیں یک جا نہیں مل سکتیں اگر ہم صرف شعرا کے تذکروں کا جائزہ لیں تو عربی، فارسی واردو کے تمام اہم تذکرے اس ذخیرہ کا افتخار ہیں، ان میں نہایت نادر تذکرے اور جدید ترین تذکرے بھی شامل ہیں۔

یہ ذخیرہ چوں کہ پنجاب یونیورسٹی میں جمع ہوا ہے، اس لیے پنجاب کی تاریخ، تہذیب اور ثقافت پر تمام اہم کتب اہل تحقیق کی منتظر ہیں۔

نظریہ وحدت الشہود کے مؤسس شیخ علاء الدولہ سمنانی (۱۳۶۷ء تا ۱۳۳۶ء) کی تمام مطبوعات قابل توجہ ہیں، اسی طرح خانوادہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تمام اصل کتب بھی اس ذخیرہ کی جان ہیں۔ شیخ اکبر ابن اعرابی اور ان کے انکار پر درجہ اول کی تمام کتب اس ذخیرہ کا اہم حصہ ہیں۔

اس ذخیرہ کی ایک اور قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اردو زبان و ادب کی بھی بیش بہا قدیم و جدید کتب موجود ہیں، جن سے اہل تحقیق بھرپور فائدہ اٹھا سکتے ہیں، فارسی واردو شعرا کے دواوین بھی خاصی تعداد میں، اس ذخیرہ کا حصہ ہیں۔

اس ذخیرہ کی نمایاں خصوصیت یہ بھی کہ اس میں مخطوطات کی فہارس بڑی تعداد میں موجود ہیں بعض ۲۵ جلدات میں اور کئی دس جلدوں میں بھی ہیں۔ فن کتابیات (Bibliography) کے موضوع پر اہم کتب اس ذخیرہ میں ہیں، ایک بڑی قابل قدر کتاب جی ڈی پیرن کی انڈیکس اسلامکس ہے جس میں یورپین زبانوں میں علوم شرقیہ کے موضوعات پر شائع ہونے والے مقالات کو موضوعی ترتیب سے مرتب شکل میں جمع کر کے کئی جلدوں میں طبع کیا گیا ہے۔ اس انڈیکس کا آغاز ۱۹۰۶ء سے ہوتا ہے اور تاحال ترتیب زمانی سے مرتب کیا جا رہا ہے، ہمیں عرصہ دراز سے یہ تمنا تھی کہ یہ معلوم ہو کہ ۱۹۰۶ء سے پہلے کے مقالات کی بھی کوئی فہرست مرتب ہوئی ہے؟ تو ہمیں یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ اس ذخیرہ میں ولف گانگ بہان کا مرتب کردہ انڈیکس اسلامیکس بھی موجود ہے، جس کا آغاز ۱۹۲۵ء سے ہوتا ہے یعنی یورپین رسائل میں علوم شرقیہ کی تحقیقات کے آغاز سے ۱۹۰۵ء تک تمام مقامات کی موضوعاتی ترتیب سے مرتب کر کے یہ خدمت انجام دی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ یہ فہرست علوم شرقیہ کے محققین کے لیے مشعل راہ ثابت ہوگی، اس میں کمپوزنگ کی کئی غلطیاں پائی گئی ہیں، امید ہے کہ پنجاب یونیورسٹی لاہور اس کی اگلی اشاعت میں ان کی تلافی کرے گی۔

نام کتاب : ”تعبیر“ (مکتوبات نمبر)
 مدیر : پروفیسر عبدالعزیز ساحر
 شمارہ : ۳۳ جنوری تا جون ۲۰۱۶ء
 ناشر : شعبہ اُردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔
 مبصر : ڈاکٹر شاہ انجم

”تعبیر“، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے شعبہ اُردو کا تحقیقی مجلہ ہے۔ اس مجلے کے اٹھان قابل رشک ہے۔ اب تک کے شماروں کو دیکھتے ہوئے بجا طور پر اُمید کی جاسکتی ہے کہ اس کے فاضل مدیر اور ان کی قابل ٹیم اس مجلے کو بہت جلد ایک بلند پایہ اور منفرد شناخت کے حامل جنرل کی حیثیت دلا سکیں گے۔

”تعبیر“ کا تیسرا شمارہ پیش نظر ہے، جسے مکتوبات نمبر کے عنوان سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس پرچے کا مواد اور پیش کش واقعی بہت عمدہ ہے۔ اس کو نہایت سلیقے سے پیش کیا گیا ہے۔ قابل اطمینان بات یہ ہے کہ اس پیش کش میں تحقیقی رسمیات مقالہ نگاری کو نہ صرف مد نظر رکھا گیا ہے بلکہ برتا بھی گیا ہے مکتوبات کے ہر متن میں متذکرہ و متعلقہ اشخاص ہوں یا قابل توضیح مقامات ان سب کے حوالے سے نہایت مناسب پیرائے میں حواشی و تعلیقات تحریر کیے گئے ہیں اور بہ قدر ضرورت اضافی معلومات بھی فراہم کی گئی ہیں۔

اس شمارے میں علامہ اقبال کا ایک نو دریافت خط بھی شریک اشاعت ہے علاوہ ازیں میڈرڈ کی یونیورسٹی میں ”علامہ اقبال کے حوالے سے ایک نادر مکتوب کی بازیافت“ بھی خاصے کی چیز ہے۔ بلاشبہ اس خط کے تناظر میں جہاں ہسپانیہ کی مسجد قرطبہ میں علامہ اقبال کی حاضری سے متعلق تمام تفصیلات تازہ ہو جاتی ہیں وہاں عالمی سطح پر خود علامہ اقبال کا مقام اور مرتبہ بھی اور واضح ہوتا نظر آتا ہے۔

فاضل مقالہ نگار کی تحقیقی جستجو بھی لائق رشک ہے جو انھیں میڈرڈ یونیورسٹی کے شعبہ ادبیات و فلسفہ تک لے گئی، جہاں کتنے ہی جتن کے بعد بالآخر انھوں نے علامہ اقبال سے متعلق مکتوب نگار فرنانڈو دے لوس ریورس (۱۸۷۹ء-۱۹۴۹ء) کا ایک ہسپانوی زبان میں خط دریافت کر لیا جو انھوں نے میکیل آسن پلاسیوس کو لکھا تھا، جس میں انھوں نے لکھا کہ: ”اپنے ہر دل عزیز دوست کو ڈاکٹر محمد اقبال سے متعارف کرانا میرے لیے انتہائی پر مسرت امر ہے، ان کا تعلق لاہور (برطانوی ہندوستان) سے ہے اور یہ ایک عظیم ہندوستانی فلسفی ہیں۔“ (اردو ترجمہ ص ۲۱)

علاوہ ازیں ڈاکٹر سفیر اختر نے اپنے نام، مولانا امتیاز علی خاں عرشی کے چار پوسٹ کارڈ کے عنوان سے اہم مقالہ پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے چاروں پوسٹ کارڈ کے عکس کے ساتھ ساتھ ان کے متن کو ضروری حواشی و تعلیقات کے ساتھ پیش کیا ہے بلاشبہ ان خطوط کی پیش کش کو حفظِ متن کی بہترین مثال قرار دی جاسکتی ہے۔

اسی طرح سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر سید عبداللہ اور صاحب زادہ حمید اللہ (پیشین) کے خطوط بھی نہایت سلیقے اور احتیاط کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔ ان خطوط کو بالترتیب ظفر حسین ظفر، مشتاق احمد ساقی، اعجاز نقی اور فیصل ریحان نے اصول تدوین کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ خطوط کے متن سے پہلے مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کا جامع تعارف مع حواشی و تعلیقات کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر سید محمود الرحمن کے نام مشاہیر کے خطوط، عظمت حیات کی محنت کو بھی سامنے لاتے ہیں اس مقالے میں انیس (۱۹) مشاہیر کے نوے (۹۰) خطوط کے متن کو محفوظ کیا گیا ہے ان مشاہیر میں درج ذیل شخصیات ہیں: ابن انشاء، اشرف صبوحی، جمیل جالبی، رئیس امر وہوی، شاہد احمد بلوی، عبد الماجد دریابادی، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، میرزا ادیب، ہاجرہ مسرور، احمد ندیم قاسمی، تمنا عمادی حامد اللہ افسر، شفیع الدین نیر، قاضی عبدالودود، قدرت اللہ شہاب، راجا مہدی علی خان، ڈاکٹر وزیر آغا اور شاہ اسد الرحمن قدسی۔ ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں کہ ”تعبیر“ میں شائع کردہ اکثر خطوط اپنی علمی، ادبی اور تاریخی اہمیت کے پیش نظر اردو کے مکتوباتی ادب میں اہم اضافہ ہیں۔ فاضلان تحقیق تو بخوبی آگاہ ہیں کہ ان خطوط کی روشنی سے کتنے ہی حقائق بے نقاب ہو سکتے ہیں نیز سوانحی تحقیق میں یہ مسالا کتنا مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

”تعبیر“ کے مکتوبات نمبر کی ایک خاص بات جس کا تذکرہ ضروری محسوس ہوتا ہے یہ ہے کہ مقالہ نگاروں نے مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے درمیان تعلق پر بھی روشنی ڈالی ہے، نیز مکتوبات کی خاص خاص باتوں کو بڑے جامع انداز سے موضوع بحث بنایا ہے۔ جناب فاضل مدیر اور ان کی ٹیم یقیناً مبارک باد کی مستحق ہے جنہوں نے ایک طرف تو مکتوبات کا ایک قابل قدر ذخیرہ پڑھنے والوں کی نذر کیا جب کہ دوسری طرف مستقبل کے کچھ نئے محققین کو اپنی صلاحیتیں دکھانے کا موقع بھی فراہم کیا۔

نام کتاب :	جنوب مغربی ایشیا کا علمی تناظر۔ تاریخ، تہذیب اور ادب
مدیر :	ڈاکٹر جاوید احمد خورشید، ڈاکٹر خالد امین
ضخامت :	اردو ۳۹۴ + ۱۷۷ انگریزی = ۵۶۸
اشاعت :	اول۔ جولائی ۲۰۱۶ء
ناشر :	ادارہ معارف اسلامی، کراچی۔
مبصر :	ڈاکٹر شاہ انجم

زیر تبصرہ مجموعہ مقالات، دراصل ایک ارمان علمی ہے جو ہمارے عہد کے ممتاز فاضل تحقیق پروفیسر ڈاکٹر سید معین الدین عقیل کی

اہم علمی و ادبی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کی ایک پسندیدہ و سنجیدہ صورت ہے۔ اگرچہ اُردو میں اعترافِ خدمات کی ایسی کوئی باقاعدہ اور مضبوط روایت تو موجود نہیں ہے مگر گاہے گاہے ایسی کاوشیں ہوا کے تازہ جھونکوں کی مانند اپنی موجودی کا احساس ضرور بخشتی رہی ہیں۔ بلاشبہ ڈاکٹر سید معین الدین عقیل کی علمی و ادبی خدمات، کیفیت اور کمیتہر دو لحاظ سے لائقِ مشکور اور تحسین کے قابل ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو جو ہمارے معاشرے میں اس طرح کی علمی سرگرمیاں باقاعدہ اور تسلسل کے ساتھ ایک تو اناروایت کی صورت اختیار کر لے۔ جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے اور مرتبین کے بیان سے بھی مترشح ہے کہ ”اس ارمغان میں جنوبی ایشیا کی تہذیبی، علمی و ادبی روایت کو اس لیے موضوع بنایا گیا ہے کہ یہ ڈاکٹر معین الدین عقیل کے اساسی موضوعاتِ دل چسپی ہیں۔“

زیر تبصرہ مجموعہ مقالات میں اکیس (۲۱) اُردو اور پندرہ (۱۵) انگریزی مقالات و مضامین شریک ہیں۔ لکھنے والوں میں پاک و ہند کے معروف محققین کے علاوہ ترکی اور جاپان کے اسکالرز بھی شامل ہیں۔ اس ارمغان کو اعتبار بخشنے والوں میں ڈاکٹر محمد اکرام چغتائی، جناب محمد سلیم الدین قریشی، ڈاکٹر شمس بدایونی، ڈاکٹر عطا خورشید، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر طاہر مسعود، ڈاکٹر عارف نوشاہی، ڈاکٹر نجیبہ عارف، ڈاکٹر سید تنویر واسطی، ڈاکٹر سید نیر واسطی، پروفیسر محمد اقبال مجددی، ڈاکٹر سلطانہ بخش، ڈاکٹر ناصر عباس نیر، جناب فیض الدین احمد، ڈاکٹر رفاقت علی شاہد، ڈاکٹر ابرار عبدالسلام اور مامیا کین ساکوشا شامل ہیں جن کے مضامین و مقالات اپنے اپنے موضوع کا بخوبی احاطہ کرتے نظر آتے ہیں۔

ذیل میں چند اہم مقالات کا ذکر بطور نمونہ ازخروارے کیا جاتا ہے:

☆ پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مقالہ: ”شیخ اسماعیل رُشدی۔ کلیاتِ خواجہ باقی باللہ کے جامع و مدون“ کے عنوان سے ہے۔ یہ مقالہ انتقادی تحقیق کی عمدہ مثال ہے۔ کلیاتِ خواجہ تو مطبوعہ (۱۹۶۷ء، لاہور) بھی ہے اور اس کے خطی نسخے دنیا کے مختلف کتاب خانوں میں بھی پائے جاتے ہیں، مگر آج تک اس کے اصل جامع و مدون کے بارے میں دنیاے علم و ادب لاعلم تھی۔ فاضل مقالہ نگار نے پہلی بار علمی دنیا کو شیخ اسماعیل رُشدی کے حالات و آثار اور اُن کے مرتب و مدون کی حیثیت سے روشناس کرایا ہے۔

☆ ڈاکٹر سلطانہ بخش کا مقالہ: ”شاہ تراب۔ مثنوی مہ جبین و ملا۔“ قدیم اُردو کے صاحبِ دیوان صوفی شاعر شاہ تراب چشتی (پ ۱۱۳۰ھ) کے حوالے سے ہے۔ آپ امین الدین اعلیٰ کے پڑپوتے، پیر بادشاہ حسینی بیجاپوری کے مرید اور خلیفہ تھے۔ شاہ تراب مدراس کے رہنے والے ایک جہاں گشت صوفی تھے اور ترنائل میں آپ کا تکیہ تھا۔ آپ کے حالات کسی تاریخ اور تذکرے میں نہیں پائے جاتے۔

فاضل مقالہ نگار نے اپنی تحقیق و تنقید سے ان کے حالات اور ادبی کاموں سے دنیاے ادب کو روشناس کرایا ہے۔ خاص طور پر ”مثنوی مہ جبین و ملا کا میر تقی میر کی مثنوی ”دریاے عشق“ سے تقابلی مطالعہ بھی نہایت دل چسپ اور معلومات افزا ہے۔

☆ ڈاکٹر ناصر عباس نیر کا مقالہ: ”بیدل، جدیدیت ہی جدیدیت اور خاموشی کی جمالیات“، بھی ایک تنقیدی تحقیق کی روداد ہے، جس کے مطابق مرزا عبدالقادر بیدل (م ۱۷۲۰ء) کو برصغیر کا پہلا جدید شاعر کہا جاسکتا ہے۔

فاضل مقالہ نگار نے نہایت عمدگی سے جدیدیت پر تحقیقی و تنقیدی انداز سے روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ہے کہ: ”جدیدیت اور مغرب نہ تو لازم و ملزوم ہیں اور نہ مغربی جدیدیت کا واحد و مستند متن ہے۔ جدیدیت ایک نہیں کئی جدیدیتیں ہیں۔“ (ص ۱۰۷) اسی طرح وہ خاموشی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ: ”بیدل کے یہاں خاموشی کئی معانی رکھتی ہے، کہیں یہ قرأت کی جمالیات ہے، کہیں یہ مراقبہ ہے جو روزمرہ شعور اور اس کی منطق کی نفی سے عبارت ہے۔ کہیں یہ زبان کے اس اساسی نظام تک رسائی کا مفہوم رکھتی ہے، جہاں لفظ سازی و معنی سازی کا جو ہر پنہاں ہے۔“ (ص ۱۶۰)

فاضل مقالہ نگار نے کلام بیدل سے متعدد مثالیں پیش کر کے واضح کیا ہے کہ بیدل خاموشی و کلام میں جدلیاتی تعلق قائم کرتے ہوئے خاموشی کو افضل قرار دیتے ہیں، کیوں کہ بیدل کے مطابق خاموشی اور کلام اظہار کے دو طریقے ہیں آخر الذکر بات کو مشہور جرمن نو مارکسی نقاد تھیوڈور ڈیبلوڈ اور نو (م ۱۹۶۹ء) کے نظریہ جمالیات کے قریب تر قرار دیا ہے۔ (ص ۱۶۲) بہر حال یہ بحث بھی خاصی دل چسپ اور معلومات افزا ہے۔

☆ جناب فیض الدین احمد کا مقالہ: ”اسلام اور عیسائیت - فرانسیسی مستشرق گارسیں دتاسی کا زاویہ نظر“، بھی اہم اور چشم کشا ہے۔

فاضل مقالہ نگار کے مطابق گارسیں دتاسی کے ”ادبی کارناموں کا احوال تو فرانس، ہندوستان اور پاکستان میں لکھے گئے مقالوں اور نامور محققین کی تحریروں میں تفصیلاً ملتے ہیں لیکن ایک اہم پہلو جسے محققین نے عموماً نظر انداز کیا، وہ عیسائی مذہب کا پرچار کرنا ہے۔“ (ص ۳۱۲) اس مقالے کو پڑھ کر فورٹ ولیم کالج کے حوالے سے استاذی ڈاکٹر نجم الاسلام مرحوم کا پیش قیمت مقالہ یاد آ جاتا ہے۔ جس میں آپ نے نہایت عرق ریزی سے کالج کے قیام کے اصل محرکات پر روشنی ڈالی ہے۔

☆ اسی طرح محمد اکرام چغتائی کے مدونہ ”اسپرنگر کے خطوط بنام سراج ایم ایلٹ“ خاصے کی چیز کہی جاسکتی ہے۔ بلاشبہ ان خطوط کا پیش کردہ تعارف و متن نہایت عالمانہ انداز کا ہے۔ سراج ایم ایلٹ مشہور مستشرق اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک اہم ملازم تھے جنہوں نے اودھ کے شاہی کتاب خانے میں موجود علمی، ادبی، تاریخی اور دینی کتابوں کی فہارس تیار کروائیں۔ اسی کام کے سلسلے میں اسپرنگر نے ایلٹ سے جو خط و کتابت کی تھی ان میں سے دس اہم غیر مطبوعہ خطوط کے متن مع تعارف و حواشی اس ارمغان کے توسط سے نذر قارئین کیے گئے ہیں۔ یہ کہنے میں باک نہیں کہ ان خطوط کے واسطے سے مسلم انڈیا کے علمی و ادبی اور تہذیبی و ثقافتی منظر نامے کی ایک متاثر کن جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔

الغرض پیش نظر مجموعہ مقالات بجا طور پر ارمغان علمی کہلانے کا مستحق ہے۔ اس کے فاضل مرتبین کی کاوشیں لائق تحسین ہیں۔ ڈاکٹر سید معین الدین عقیل یقیناً خوش نصیب ہیں جنہیں ایسے لائق اور مخنتی شاگرد ملے جنہوں نے اپنے استاد محترم کی علمی روایت کی آب یاری میں اپنے حصے کا کام بخوبی انجام دیا ہے۔

نام کتاب : اہل قلم کے مکاتیب بنام غازی علم الدین
مرتب : ڈاکٹر آصف حمید
ضخامت : ۵۶۰ (بڑا سائز)
اشاعت : ستمبر ۲۰۱۶ء
ناشر : مثال پبلشرز، فیصل آباد۔
مبصر : ڈاکٹر شاہ انجم

اردو میں خط نگاری کی روایت جس تیزی سے معدوم ہوتی جا رہی ہے وہ یقیناً لائق تشویش و قابل افسوس ہے مگر خوشی کا مقام یہ ہے کہ ساتھ ساتھ ایک اچھی روایت بھی مستحکم ہوتی دکھائی دیتی ہے یعنی مشاہیر کے خطوط کی مسلسل اشاعت کا سلسلہ۔ زیر تبصرہ کتاب بھی دراصل معروف محقق و ماہر تعلیم پروفیسر غازی علم الدین کے نام ایک سوا کیا نوے (۱۹۱) مکتوب نگاروں کے تین سو پچانوے (۳۹۵) خطوط پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر آصف حمید نے جو مکتوب الیہ کے ایک لائق شاگرد بھی ہیں۔ ان خطوط کو نہایت سلیقے اور ضروری حواشی کے ساتھ مرتب کیا ہے۔

اگرچہ پیش کردہ خطوط میں، ادبی، تاریخی، تہذیبی، لسانی، علاقائی اور مذہبی مباحث کو علمی انداز سے آگے بڑھانے کی بھرپور تحریکات پائی جاتی ہیں تاہم بعض خطوط محض رسیدی نوعیت کے بھی شریک ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا، جو اس ذخیرے کا کڑا انتخاب کیا ہوتا۔ دراصل پیش کردہ خطوط میں ایک قابل ذکر تعداد تو ان خطوں کی ہے جو مکتوب الیہ کو ان کے زیر ادارت شائع ہونے والے مجلات: ”سروش“، میرپور اور ”سیماب“، افضل پور (آزاد کشمیر) کے قارئین کے تاثرات و آرا پر مشتمل ہیں۔ بلاشبہ فاضل مدیر نے مذکورہ مجلات کی پیش کش میں جس جدت، ندرت اور ژرف نگاہی سے کام لیا ہے، اس کا ثبوت ہندوپاک کے مشاہیر ادب کے پیش نظر خطوط سے بھی فراہم ہوتا ہے۔ جس سے جناب مکتوب الیہ کی عمدہ مدیرانہ صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ ان کے اعلیٰ علمی، ادبی، تعلیمی، تحقیقی، تہذیبی، تاریخی اور دینی شعور کا بھی پتا چلتا ہے۔

مذکورہ مجلات اور فاضل مکتوب الیہ کی علمی و تحقیقی کتابوں مثلاً ”لسانی مطالعے“، ”لسانی لغت“ اور ”معابدہ عمرانی“ کے قارئین میں اہل قلم کی جو کہکشاں نظر آتی ہے ان میں سے چند کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔ ایسے قابل ذکر مشاہیر میں: جناب شمس الرحمن

فاروقی، پروفیسر مسعود علی بیگ، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر رؤف خیر، ڈاکٹر یحییٰ فشیط (بھارت) میرزا ادیب، حکیم محمد موسیٰ امرتسری، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر وزیر آغا، جناب جمیل الدین عالی، پروفیسر سحر انصاری، پروفیسر اقبال مجددی، ڈاکٹر معین الدین عقیل، ڈاکٹر ارشد شا کر اعوان، ڈاکٹر سفیر اختر، پروفیسر سیف اللہ خالد، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر عارف نوشاہی، ڈاکٹر تبسم کاشمیری، جناب لطیف الزماں خان، پروفیسر محمد اسلم، جناب بشیر حسین ناظم، ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی، ڈاکٹر انوار احمد، ڈاکٹر ریاض مجید، ڈاکٹر اسلم انصاری، ڈاکٹر رشید امجد، جناب محمد اسحاق بھٹی، پروفیسر انوار احمد زئی، پروفیسر قاضی ظفر اقبال اور پروفیسر ظفر حجازی وغیرہم کے اسمائے گرامی تو مکتوب نگاروں کی فہرست میں نمایاں نظر آتے ہیں۔

کتاب کے آغاز میں پروفیسر ڈاکٹر رؤف خیر، ڈاکٹر ماجد یو بندی، (بھارت) اور ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری کی تحریروں سے بھی اس مجموعہ کا تیب و مکتوب الیہ کی شخصیت اور علمی وادبی کاموں پر خوب روشنی پڑتی ہے۔

عرض مرتب کے عنوان سے ڈاکٹر آصف حمید نے بڑے جامع انداز سے اس کام کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ یہاں یہ بھی ذکر کرتے چلیں کہ فاضل مرتب کو ”اردو میں مکتوب نگاری“ کے موضوع پر پنجاب یونیورسٹی نے ۲۰۱۲ء میں پی ایچ ڈی کی سند فضیلت عطا کی تھی۔ اپنا یہ تحقیقی کام انھوں نے ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری کی رہنمائی میں انجام دیا تھا۔

ڈاکٹر آصف حمید نے زیر تبصرہ کتاب میں پیش کردہ خطوط کی ایسی فہرست تشکیل دی ہے جس پر ایک نظر ڈالتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ کس مکتوب نگار کے کتنے خط ہیں۔ پہلے اور آخری خط کا زمانہ تحریر کیا ہے۔ علاوہ ازیں ایک نظر میں یہ بھی پتا چل جاتا ہے کہ ۱۹۹۶ء سے ۲۰۱۶ء کے عرصے میں یہ تمام خطوط لکھے گئے ہیں۔

الغرض ان خطوط کے مطالعے سے قارئین کے سامنے پروفیسر غازی علم الدین کے کردار اور کارناموں سے مرکب ایک متاثر کن شخصیت آ موجود ہوتی ہے۔

کتاب خوب صورت گیٹ اپ، مضبوط جلد اور رنگین سرورق کے ساتھ عمدہ سفید کاغذ پر اچھی چھپی ہے۔ پروف کی اغلاط بہت کم دیکھنے میں آئیں مثلاً صفحہ ۳۳ پر بجائے رواروی کے ”رواداری“، ص ۲۸۴ پر بجائے سفارت کے ”سفات“، ص ۵۱ پر بجائے ممنون کے ”منون“ اور ص ۵۲۵ پر بجائے عرصے سے ”عرضیے“ لکھا گیا ہے۔

کتاب کے آخر میں ضمیمہ جات کے عنوان سے تین خطوط مدیران جرائد کے نام ہیں، علاوہ ازیں چند خطوط کے عکس بھی شریک ہیں، لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آسکی کہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب کا مکتوب بنام مدیر ”الحمر“ لاہور یہاں کیوں شائع کیا گیا ہے۔ حالاں کہ اس کے متن سے مکتوب الیہ یا مرتب کا کوئی تعلق بھی سامنے نہیں آتا۔

بہر کیف ڈاکٹر آصف حمید کو اس کتاب کی اشاعت پر مبارک باد پیش کی جاتی ہے۔ ان کی محنت اور سلیقے کی داد دینا انصاف

سے بعید ہوگا۔

نام کتاب	:	”صحیفہ“ مکاتیب نمبر، حصہ اول
مدیر	:	افضل حق قریشی
ضخامت	:	۴۱۲ صفحات
اشاعت	:	جولائی ۲۰۱۶ء۔ دسمبر ۲۰۱۶ء
ناشر	:	مجلس ترقی ادب، لاہور۔
مبصر	:	ڈاکٹر شاہ انجم

مجلس ترقی ادب لاہور کا علمی و ادبی مجلہ ”صحیفہ“ کے مکاتیب نمبر کا حصہ اول ہمارے سامنے ہے۔ جناب افضل حق قریشی کی زیر ادارت یہ قابل قدر خطوط کا مجموعہ قارئین اُردو کے لیے کسی سوغات سے کم نہیں ہے۔ فاضل مدیر نے اپنے ادارے میں ڈاکٹر سید عبداللہ ۱۹۰۶ء۔ ۱۹۸۶ء، علامہ اقبال اور مولانا ابوالکلام آزاد کے حوالوں سے خطوط کی علمی، ادبی، تاریخی، تحقیقی اور سماجی اہمیت پر اجمالاً روشنی ڈالتے ہوئے نقل فرمایا ہے کہ ”خط تہذیب انسانی کے محیر العقول عجائبات میں سے ہے۔ انسان کی یہ اختراع جملہ فنون عالیہ کی طرح ایک فن لطیف بلکہ بقول بعض لطیف ترین فن بن گئی۔“ (ڈاکٹر سید عبداللہ) آپ نے بجا فرمایا ہے کہ اسے تحقیق میں بنیادی ذرائع معلومات میں سے تصور کیا جاتا ہے۔

آگے بڑھنے سے قبل یہ بھی ذکر کرتے چلیں کہ مشاہیر کے خطوط اشاعت کا تازہ سلسلہ جاری کرنے کا سہرا سندھ یونیورسٹی جام شورو کے شعبہ جاتی مجلہ ”تحقیق“ کے سر جاتا ہے۔ مجلہ ”تحقیق“ نے مشاہیر ادب کے خطوط کی اشاعت کا نہ صرف یہ کہ خود پیڑا اٹھایا اور متعدد ضخیم نمبر شائع کیے بلکہ اپنے اداریوں کے ذریعے اس مفید کام کی ترغیب عام کی، چنانچہ اب دیکھتے ہی دیکھتے کئی ادبی تحقیقی مجلات نے اس باب میں قابل قدر نمبر شائع کرنا شروع کر دیے ہیں۔ ”صحیفہ“ کا زیر نظر شمارہ بھی اس کی عمدہ مثال ہے۔

زیر تبصرہ مکاتیب نمبر میں مشاہیر ادب کے تقریباً ۲۷۳ خطوط شریک اشاعت ہیں۔ ان میں پچاسی (۸۵) خطوط تو مشفق خواجہ (م ۲۰۰۵ء) ہی کے ہیں جب کہ چھہتر (۷۶) خطوط ان کے والد خواجہ عبدالوحید (۱۹۰۱ء۔ ۱۹۷۹ء) کے نام عبدالماجد دریابادی (۱۸۹۲ء۔ ۱۸۷۷ء) کے ہیں، جن میں زیادہ تر علمی اور تفسیری مباحث پائے جاتے ہیں۔ یہ خطوط ڈاکٹر تحسین فراقی صاحب نے پیش کیے ہیں۔ اسی طرح علامہ اقبال کے رفقاء میں سے ممتاز ملی خدمات کے حامل سر سید غلام بھیک نیرنگ (۱۸۷۶ء۔ ۱۹۵۲ء) معتمد عمومی جمعیت مرکز یہ تبلیغ اسلام (انبالہ) کے بتیس (۳۲) اہم خطوط مولوی سید عبدالحی کان پوری (م ۱۹۷۱ء) ناظم جمعیت مرکز یہ تبلیغ اسلام (کانپور) کے نام ہیں۔ مولانا عبدالحی اور میر غلام بھیک نیرنگ کے ان خطوط سے ہندوستان میں متعصب ہندوؤں کی شدھی تحریک کے حوالے سے غریب مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے بے پناہ مظالم کی عصری شہادتیں بھی فراہم ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں ان خطوط سے

مکتوب نگار کا مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کا نیک جذبہ بھی بخوبی عیاں ہوتا ہے۔ یہ خطوط جناب محمد ارشد نے نہایت سلیقے سے پیش کیے ہیں۔ آغاز میں مکتوب الیہ اور مکتوب نگار کے ساتھ ساتھ جمعیت مرکز یہ تبلیغ اسلام کا تعارف و خدمات بھی جامع طور پر پیش کیا ہے۔

جناب افضل حق قریشی نے سولہ مشاہیر ادب کے خطوط بہ نام محمد احسن خاں پیش کیے ہیں۔ آغاز میں مکتوب الیہ کا جامع تعارف ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی دل چسپی کا میدان لغت سے متعلق ہے۔ اردو لغت (تاریخی اصولوں پر) جن اصحاب علم نے نظر ثانی کا کام کیا ہے ان میں موصوف بھی شامل ہیں۔

اس ضمن میں پروفیسر ضیاء احمد بدایونی، ڈاکٹر شوکت سبزواری، سید قدرت نقوی، رشید حسین خان، شیخ محمد اسماعیل پانی پتی اور ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ وغیرہم کے خطوط زیادہ تر اسفار کے جواب نیز لغات و معانی کے حوالے سے ہیں اور خوب ہیں۔

جناب محبوب عالم تھابل نے پروفیسر محمد اقبال مجددی کے نام جن مشاہیر کے خطوط پیش کیے ہیں ان میں مولانا عبدالعزیز میمن (۱۸۸۸ء-۱۹۷۸ء) قاضی عبدالودود (۱۸۹۶ء-۱۹۸۴ء) اور مولانا امتیاز علی عرشی رام پوری (۱۹۰۴ء-۱۹۸۱ء) قابل ذکر ہیں۔ چوں کہ مکتوب الیہ کا میدان تاریخ اور صوفیائے کرام ہے لہذا ان کے نام اکثر خطوط میں اسی حوالے سے معلومات ملتی ہیں۔

اسی طرح جناب راشد شیخ انجینئر کے نام بھی ”کچھ یادگار خطوط“ شریک اشاعت ہیں، جن میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ڈاکٹر ضیاء الدین دیسائی، محمد کاظم اور ڈاکٹر ثار احمد فاروقی کے اہم خطوط قابل ذکر ہیں۔ ان خطوط سے اسلامی فن خطاطی، کتبہ نویسی اور بعض تاریخی امور پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔

رسالے کے آخر میں حسب معمول تبصرہ کتب ہے جس میں ”فہرست کتب ذخیرہ پروفیسر محمد اقبال مجددی“ (مخزنہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور) پر ڈاکٹر سفیر اختر کا قابل قدر، مفصل اور تحقیقی و تنقیدی تبصرہ شائع کیا گیا ہے۔ ۱۴۲۳ صفحات کی اس ضخیم فہرست پر فاضل تبصرہ نگار نے اپنے تبصرے میں جس دل چسپی، دل جمعی اور ژوف نگاہی کا ثبوت دیا ہے وہ تو اس کے پڑھنے اور دیکھنے ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔

الغرض ”صحیفہ“ کا زیر نظر مکتبہ نمبر (حصہ اول) زندہ تحریروں کا ایسا مجموعہ قرار دیا جاسکتا ہے جس کے دیکھنے اور پڑھنے سے انسان کو وہی راحت و مسرت محسوس ہوتی ہے جو کسی واقعی بڑی شخصیت کی صحبت حاصل ہونے پر ہوتی ہے۔

”صحیفہ“ کی اس عمدہ اشاعت پر جہاں فاضل مدیر اور ان کی ٹیم مبارکباد کی مستحق ہے وہیں ہم صدر مجلس ڈاکٹر تحسین فراقی صاحب کی خدمت میں بھی ہدیہ تبریک پیش کریں گے۔ جن کے حسن نظر اور حسن انتظام سے مجلس کا اشاعتی کام معیار اور مقدار ہر دو لحاظ سے بہتر ہوا ہے۔

یہ بات بھی رہی جاتی ہے کہ حسن طباعت واقعی قابل داد ہے۔ پروف کی اغلاط بھی بہت کم دیکھنے میں آئیں۔

نام کتاب : ”اُسلوب اور اسلوبیات کی تعبیر و روایت“ (منتخب مقالات)
 ترتیب و تشکیل : ڈاکٹر سیدہ محسنہ نقوی
 ضخامت : ۲۷۲ صفحات (مجلد)
 مطبع : فرحان رضا پرنٹرز، راولپنڈی۔
 مبصر : ڈاکٹر شاہ انجم، اسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج (پھلیلی) حیدر آباد۔

زیر تبصرہ کتاب ایک مجموعہ مقالات ہے جو مذکورہ بالا عنوان کتاب کی رعایت سے یکجا کیے گئے ہیں۔ پیش لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر محسنہ نقوی (علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد) نے پی ایچ ڈی کے ایک کورس ”اُسلوب اور اسلوبیات“ کے مندرجات کو پیش نظر رکھتے ہوئے، مقالات کا زیر نظر مجموعہ مرتب کیا ہے۔

اس کتاب میں درج ذیل سولہ مقالات ہیں۔ اُسلوب اور ہیئت۔ اُسلوب اور شخصیت از سید عابد علی عابد۔ اُسلوب کیا ہے؟ اُسلوب کی تشکیل اور اس کی صفات، اُسلوب اور اس کا دائرہ عمل از طارق سعید۔ جدید اسلوبیات از ریاض صدیقی، ادبی تنقید اور اسلوبیات از گوپی چند نارنگ۔ تحقیقی مقالے کا اُسلوب از ڈاکٹر گیان چند۔ جدید اردو نثر کا اُسلوبی ارتقاء از احتشام حسین۔ اُسلوب اور اسلوبیاتی انتخاب۔ اُسلوبیاتی انتخاب و انحراف از ڈاکٹر عطش درانی۔ اُسلوبیات اور اردو میں اس کی روایت از نصیر احمد خان اور اسالیپ نثار دو، روایت اور تجربہ از طارق سعید۔

آغاز کتاب میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر شاہد صدیقی کا تحریر کردہ جامع پیش لفظ ہے جس سے کتاب پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر محسنہ نقوی کا مقدمہ بھی اُسلوب اور اُسلوبیات کی تعبیر و روایت کے حوالے سے طلبہ کی رہنمائی کرتا ہے، جس میں آپ نے مختلف لغات کے حوالے سے موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ہے کہ: ”اُسلوب کے بارے میں تمام ماہرین لغات متفق ہیں کہ اُسلوب طرز، طریقہ اور وضع کو کہتے ہیں۔“ (ص ۶) آگے چل کر نثر اور نظم کے اُسلوب کا موازنہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ: ”نثر کے اُسلوب میں بنیادی شرط تعمیری اظہار ہے اور نظم کے اُسلوب میں بنیادی شرط تخلیقی اظہار ہے۔ اُسلوب کے بغیر ادب کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔“ (ص ۸)

جناب نصیر احمد خان نے اپنے مقالے ”اُسلوبیات اور اردو میں اس کی روایت“ پر اپنا اہم مطالعہ پیش کیا ہے۔ جس میں آپ نے عصر حاضر کے قابل ذکر ماہرین کے نقطہ ہائے نظر کا نچوڑ نسبتاً آسان پیرائے میں پیش کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ: ”اُسلوب کے سائن ٹی فک مطالعے کو اُسلوبیات کہتے ہیں... اُسلوبیاتی تجربہ زبان کی ساخت کے مختلف پہلوؤں کو لے کر کیا جاسکتا ہے۔ یعنی آواز، جملہ، معنی اور لفظ۔ لسانیاتی اُسلوبیات کے تحت زبان کی ان سطحوں میں سے کسی ایک کا تجزیہ ہو سکتا ہے۔“ (ص ۲۳۶)

اسی طرح گوپی چند نارنگ نے اپنے مقالے: ”ادبی تنقید اور اُسلوبیات“ میں بڑے پتے کی بات بیان کی ہے آپ فرماتے ہیں کہ: ”اُسلوبیات، تنقید کی مدد کر سکتی ہے اور اس کو نئی روشنی فراہم کر سکتی ہے۔ اُسلوبیات کے پاس متن کے سائنسی لسانی تجزیے کا حربہ ہے۔ اس کے پاس ادبی ذوق کی نظر نہیں ہے۔“ (ص ۱۵۴)

الغرض یہ کتاب اپنے موضوع کے حوالے سے ضروری مباحث سمیٹے ہوئے ہے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس موضوع پر تمام قابل ذکر مقالات کا احاطہ کر لیا گیا ہے۔

ایک بات کی کمی بری طرح کھٹکتی ہے کہ حوالہ جات کا اہتمام اس طرح سے نہیں کیا گیا جیسا کہ تحقیقی مقالہ جات میں ہوا کرتا ہے۔ پھر پروف کی خامیاں الگ پڑھنے والے کو پریشان کرتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بڑی عجلت میں یہ کتاب چھاپی گئی ہے۔ کاغذ بھی اچھا نہیں ہے۔ اُمید کی جاتی ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں ان شکایات کو دور کر دیا جائے گا۔

نام کتاب : ”حیاتِ کرم حسین“
مصنف : حکیم سید ظل الرحمن
ضخامت : ۳۴۲ صفحات
ناشر : سعید پبلی کیشنز، کراچی۔
مبصر : ڈاکٹر شاہ انجم

زیر تبصرہ کتاب ریاست الور کی تحصیل ”تجارہ“ سے تعلق رکھنے والی کی ایک ہمہ جہت شخصیت حکیم سید کرم حسین (۱۸۷۰ء-۱۹۵۳ء) کی سوانح حیات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے فاضل مصنف جناب حکیم سید ظل الرحمن، صاحب سوانح کے لائق اور سعادت مند پوتے ہیں، جو خود بھی ایک سرگرم علمی، ادبی، تاریخی اور تہذیبی شخصیت کے مالک ہیں۔ آپ کی لیاقت علمی کا کچھ اندازہ آپ کی ان تصنیفات اور تالیفات سے بھی لگایا جاسکتا ہے جس کی تعداد تینتالیس (۲۳) تک پہنچتی ہے۔ ان کتابوں کے مصنف و مؤلف ہونے کے علاوہ آپ علی گڑھ یونیورسٹی کے سابق پروفیسر اور ڈین فیکلٹی آف یونانی میڈیسن بھی رہے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب کے دو ایڈیشن انڈیا سے (۱۹۸۳ء اور ۲۰۰۸ء) میں شائع ہوئے تھے، مگر ہر بار نئی، قابل قدر اضافی معلومات کے ساتھ۔ اب اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن ہمارے سامنے ہے جسے ڈاکٹر عائشہ کفیل برنی نے اپنے ادارے سے شائع کیا ہے۔ یہ ایڈیشن بھی متعدد اضافوں کے ساتھ ہے۔

چوں کہ کارناموں اور کردار سے مرکب و مزین عناصر کے مجموعے کو شخصیت سے تعبیر کیا جاتا ہے، چناں چہ زیر تبصرہ کتاب

میں بھی حکیم سید کرم حسین کے حالات زندگی اور خاندانی پس منظر کے ساتھ ساتھ ان کی شخصیت یعنی قابل ذکر کارناموں اور اعلیٰ کردار کو موضوع بنایا گیا ہے۔

فاضل مصنف نے خوب جم کر لکھا ہے، خصوصاً تاریخی پس منظر کے بیان میں جہاں تحقیقی لوازم کو پیش نظر رکھنے کی کوشش کی ہے وہیں اسلوب بیان میں بھی کوئی کمی نہیں آنے دی گئی۔ نتیجتاً قاری ان دل چسپ تاریخی اور مفید معلومات کو اپنے حافظے میں سمٹتا ہوا موضوع کی کھوج میں آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

صاحب سوانح حکیم سید کرم حسین کی حیات مستعار ”تجارہ“، تحصیل الور میں بسر ہوئی۔ اس کتاب کے درپچوں سے آپ کے تابندہ نقوش حیات آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ آپ ایک نام ور حکیم حاذق، متعدد طبی کتابوں کے مصنف، دواخانہ شفاء الامراض کے بانی، کئی رسالوں کے مدیر اور ناشر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ایک صوفی باصفا اور اتحاد بین المسلمین کے مخلص داعی بھی تھے۔

آپ ایک وسیع المشرَب عالم ہونے کے علاوہ قادرِیہ، شاذلیہ اور چشتیہ سلاسل کے روحانی اور ادا شغال کے عامل بھی تھے۔ ”تجارہ“ میں آپ کی مرکزی حیثیت کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ ایک ہی وقت میں آپ کے دسترخوانِ نعمت پر اپنے وقت کی اہم اور معزز ترین شخصیات جمع ہو جاتی تھیں۔ وہ بانی تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاس ہوں یا سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور و معروف شیخ طریقت مولانا رکن الدین الوری (م ۱۹۳۶ء) خواجہ عابد علی شاہ ہوں یا میاں سلام اللہ شاہ، سبھی سے آپ کے خصوصی مراسم تھے اور مذکورہ سبھی شخصیات ہمہ وقت آپ کی اقبال مندی میں اضافے کے لیے دعا گو اور کرم فرما رہا کرتیں۔

اسی طرح تحصیل ”تجارہ“ سے باہر میرٹھ ہو یا اجمیر شریف یا پھر دارالحکومت دہلی، ہر مقام پر آپ کی علمی اور طبی حیثیت کی پذیرائی کی متاثر کن جھلکیاں اس کتاب میں بخوبی دیکھی جاسکتی ہیں۔

مسح الملک حکیم اجمل خاں دہلوی سے بھی آپ کے خصوصی مراسم تھے۔ زیر تبصرہ کتاب کے صفحہ ۱۱۴ پر درج ہے کہ: ”حکیم سید کرم حسین کی علمی شخصیت، طبی مرتبہ اور بے لوث خدمت کے جذبے کی وجہ سے مسح الملک ان کے بڑے مداح تھے اور ان کا خاص لحاظ فرماتے تھے۔ اکثر طبی مسائل میں خصوصی مشورہ رہتا تھا۔“

حکیم سید کرم حسین جہاں طبی، تہذیبی اور ادبی روایات کا بے مثل نمونہ تھے وہیں وہ شعر و ادب کا بھی بڑا نکھرہا ہوا ذوق رکھتے تھے۔ اپنے قیام میرٹھ میں اشارت علی خاں صدق میرٹھی سے کسبِ سخن کیا تھا اور ناطقِ تخلص کرتے تھے۔ آپ نے ”تجارہ“ میں اپنی کاوشوں سے ایک ادبی ماحول پیدا کر لیا تھا۔ اس کتاب کے فاضل مصنف نے ریاست ”الور“ کے قیام و تاریخ کے ساتھ ساتھ اس ادبی ماحول پر بھی نہایت جامع انداز سے روشنی ڈالی ہے۔

زیر تبصرہ کتاب سے جہاں بہت سے تاریخی حقائق بے نقاب ہوتے ہیں وہیں یہ بھی علم ہوتا ہے کہ عہد اکبر کے مشہور عالم دین، محقق اور صوفی باصفا حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸ھ-۱۰۵۲ھ) کے احفاد میں خیرات علی حقّی اور منشی برکت علی حقّی (مصنف مراۃ الحقائق) وغیرہم ”پول“ (الور) میں آباد تھے۔ یوں حضرت شیخ محدث علیہ الرحمہ کے خاندان کی ایک اہم شاخ کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۴۷ء تک ”پول“ (الور) میں سکونت پذیر تھے۔ علاوہ ازیں خاندان حکیم سید کرم حسین اور مذکورہ خاندان حقّی میں قائم رشتہ داریوں کی تفصیل بھی فراہم کی گئی ہے۔

اسی طرح حواشی کتاب میں ایک مجموعہ تصنیف کی بابت ڈاکٹر نجم الاسلام مرحوم بانی مدیر ”تحقیق“ جام شورو کے نام پر وینسر سید محمد سلیم کا مراسلہ بھی نقل کیا گیا ہے، جس سے قدیم میواتی اردو کی منظوم کتاب ”واقعاتِ امامیہ“ اور اس کے مصنف ملا غلام رسول کا حال کھلتا ہے۔

کتاب کے آخر میں حکیم سید کرم حسین کے بعض مشہور نسخہ جات بھی نقل کیے گئے ہیں اس کتاب کے پُر از معلومات حواشی اور مستند حوالوں نے اسے ایک وقیع دستاویز کا درجہ عطا کر دیا ہے۔ آخر میں کتاب کے ایک محل نظر بیان کی طرف توجہ دلاتے چلیں۔ صفحہ ۱۵۷ پر کسی غلط فہمی کی بنا پر حاجی امداد اللہ مہاجر کی مشہور تصنیف ”فیصلہ مفت مسئلہ“ کا انتساب مولانا رشید احمد گنگوہی سے کیا گیا ہے جو کہ خلاف حقیقت ہے۔ الغرض اس کتاب کے لیے حکیم سید ظل الرحمن کو مبارکباد پیش کی جاتی ہے کہ جنہوں نے تاریخی اور سوانحی تحقیق کے اس عمدہ نمونے کو آنے والی نسلوں کے لیے ایک یادگار تحفے کی صورت میں محفوظ کر دیا ہے۔